© rasailojaraid.com

مولانا عبدالعزیز میمن کی یاد

(یہ مضمون بزرگ اور معروف صاحب قلم جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب نے خاص برائے الحق قلم بند کیا ہے)

مورخہ ۸ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کی صبح صبح جو اخبار نوائے وقت لاہور آیا تو اس میں لکھا تھا کہ ممتاز عالم عبدالعزیز میمن کراچی میں ۹۶ سال کی عمر میں انتقال کر گئے ہیں یعنی آپ کا انتقال ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ہوا۔ تو دل سے بے اختیار نکلا:

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

اور تمام تاریخ گذشتہ اور واقعات آنکھوں کے سامنے آگئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل کی بات ہے آپ جب ابتدا ۱۹۲۱ء میں لاہور اورنٹیل کالج میں پشاور کے مشن کالج سے تقرر ہوا تھا اور لاہور میں آپ سیدھے آکر مولانا سید طلحہ کے ہاں ہوسٹل میں بحیثیت مہمان مقیم ہو گئے تھے اور حضوری باغ میں ہوسٹل تھا۔ جس میں مولوی سید طلحہ کا کمرہ مسجد شاہی کی طرف الگ اخیر میں تھا۔ میں ان دنوں مدرسہ نعمانیہ لاہور میں بطور ایک طالب علم کے مولوی غلام مرشد صاحب کے ہاں حدیث کی کتاب مشکوٰۃ کا درس محمد گی سے ادا کرتا تھا اور مولانا سید طلحہ کے ہاں بحیثیت ان کے اعلیٰ اخلاق حسنہ کے علوم دین کے ضمن میں استفادہ کرتا۔ مگر میں لدھیانہ ٹیکنیکل سکول سے چھٹی پر تھا اور یہ زمانہ سیاسی اعتبار سے بھی الگ خاص حیثیت رکھتا تھا۔ اور ہر طرف گورنمنٹ کے خلاف جلسے ہو رہے تھے ہی۔ اور میں اس اثنا میں عربی ادب کی کتاب "الحریری" مولانا سید طلحہ سے پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر اس ضمن میں سید طلحہ صاحب نے مولانا میمن کو منایا تھا کہ وہ ہمیں یہ کتاب ادب پڑھا دیں گے چنانچہ انہوں نے ہمارا تعارف بحیثیت طلبا عربی ان سے کرا دیا تھا۔ میں اور دوسرے رفقا مولوی فقیر اللہ کشمیری اور ضیاء اللہ ہندوستانی بھی میرے ہمراہ سبق میں شریک ہوئے۔ اور ہم ان سے کتاب الحریری پڑھتے تھے۔ اگرچہ دوسرے رفقاء سبق اس قدر باقاعدہ نہیں تھے۔ اور یہ بھی علم ہوا کہ مولانا میمن کو حقہ کی عادت ہے اور اپنا خاص حقہ بھی رکھتے ہیں۔ جو میں بخوشی باورچی خانہ سے تازہ اور تیار کر کے ان کے سامنے رکھتا تھا مگر اس اثنا سبق کی نشست میں مولانا میمن صاحب ہمیں اپنی مرضی سے ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی کتاب مصطلحات حدیث کے ضمن میں:

نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھاتے ۔ ان ہر دو کتب پڑھاتے وقت مولانا میمن صاحب عربی ادب کے ضمن میں وہ وہ نقاط بیان کرتے اور اس ضمن وہ وہ اشعار عربی بلند آواز سے تلاوت فرماتے تو ہم حیران ہوتے اور ہمیں ایک گونہ مسرت ہوتی کہ ہمارا انتظام عمدہ ہے اور خاص کر میں عمر گی سے مولانا کے لئے حقہ کو تازہ کرتا اور ان کے سامنے رکھتا اور وہ مزے میں آ کر عربی اشعار پڑھتے اور بعض اوقات وہ ان اشعار کے تاریخی پس منظر پر بھی روشنی ڈالتے جس سے ہمارے عام علم میں ایک خاص اضافہ ہوتا ۔

جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ میں مدرسہ "نعمانیہ" میں بھی جاتا تھا اور وہاں ایک دن میرے ہم سبق مولوی غلام محمد والد مولوی گل محمد (دونوں نیلا گنبد کی مسجد میں امام رہے ہیں اور آج ہر دو فوت ہو چکے ہیں) نے فرمایا کہ میرے ہاں چند کتب ہیں ان کو میں فروخت کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر میں نے ہر دو مولوی عبدالعزیز میمن صاحب اور سید طلحہ سے کیا ۔ ہر دو نے خواہش ظاہر کی کہ کتب کو حاصل کرنا چاہئے ۔ چنانچہ میں ان کے ہاں کے جائے رہائش محلہ کُنڈی گراں متصل موتی بازار لاہور گیا ۔ اور وہاں سے کتب لایا ۔ مولوی سید طلحہ صاحب نے خاص کر تفسیر کشاف زمخشری متوفی ۵۳۸ھ بہت پسند فرمائی ۔ مگر اس کے اندر ابتدائی ورق پر مولوی عبدالعزیز نے اپنے ہاتھ سے خوبصورت عربی خط میں یہ لکھ دیا کہ یہ کتاب " بابو عبداللہ " (بالغین) کی معرفت حاصل کر لی گئی ہے ۔ آج تک اور ہمیشہ مجھے وہ اسی نام " بابو غبداللہ " سے پکارتے رہے اور مولوی سید طلحہ ہمیشہ " بابو " کہتے رہے ۔ پھر اسی کتاب سے یا اسی کتاب مطبوعہ مصر کو سامنے رکھ کر مولوی میمن کی عالمانہ گفتگو زمخشری پر ایک بہت بڑا علم ادب کا مقالہ تھا ۔ اسی طرح اورینٹل کالج کے ایک اعلیٰ استاد اور حاکم کا نام کو بگاڑ کر " سفاہت ۔ سفیہہ " کہا کرتے تھے اور اخیر تک اسی طرح کہتے رہے ۔ مگر وہ اسی ہوسٹل میں دام اداکر کے بحیثیت مہمان مولانا سید طلحہ جمے رہے ۔ حالانکہ اس ضمن میں بعض شکایات بھی ہوئیں ۔ اور اتنے میں ماہ رمضان آ گیا ۔ اور ہم نماز تراویح کے لئے اسی ہوسٹل سے نکل کر ایک قدیم مسجد ٹیکسالی دروازہ کی مسجد میں جاتے تھے ۔ جہاں اس عاجز نے متواتر پانچ سال تک مولوی طلحہ کے پیچھے نماز تراویح ادا کی ہے ۔ کبھی کبھی مولوی میمن بھی شرکت کرتے ۔ اور مولوی طلحہ حافظ قرآن بھی تھے بہت لطف آتا ۔ سب سے بڑا لطف یہ تھا کہ مسجد کے امام مولانا عبدالستار داماد مولانا مولوی عبداللہ ٹونکی تھے جو انجمن اسلامیہ کے ممبر بھی تھے مگر مولوی میمن باقاعدہ نہیں جاتے تھے ۔

ایک روز دوران ماہ رمضان مولوی سید طلحہ کو حسب عادت یہ خیال آیا کہ ہمیں ایک روز دعوت افطار میں مولوی عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی کو دعوت دینی چاہئے ۔ تو یہ انتظام نیچے حضوری باغ کے کونہ میں فرش پر کیا گیا تھا اور ظاہرہ طور پر مولوی میمن نے بھی اس دعوت میں شرکت کی تھی ۔ میں نے تقویٰ کے خیال سے دیکھا کہ مولوی غزنوی نے خاص کر قریب افطار دعا کی اور آب دیدہ بھی ہو گئے ۔ جس کا مجھ پر بہت اثر ہوا ۔ چونکہ بادشاہی مسجد وہاں سے چند قدم پر تھی ۔ اور یہ تمام ماحول بہت ہی پُر اثر تھا ۔ میں نے اس سے پیشتر اسی مسجد کے دریائی حوض پر مولانا معین الدین اجمیری کو " کتاب حمداللہ " ۔ مولوی ابراہیم حسنی برادر مولوی سید طلحہ کو بھی دیکھا ہے کہ وہ پڑھا رہے تھے ۔ غرض کہ اس دعوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا غزنوی ہیں ایک پرخلوص نظارہ تھا۔ اگرچہ مولوی سید طلحہ انتظام دعوت کی وجہ سے ذرا پریشان رہے مگر وہ سماں آج تک نہیں بھولتا۔ یہ امر وضاحت چاہتا ہے کہ ہر دو مولوی عبدالعزیز میمن اور سید طلحہ " لا یقلد احداً " وہ کسی کے مقلد نہیں تھے اور ایسا ہی ان کا مہمان تھا۔ اور ایک روز وہ خود سناتے تھے کہ " نزہۃ الخواطر " میں مولوی عبدالحیٔ لکھنوی نے جو سید طلحہ کی بیوی کے حقیقی بھائی تھے لکھا ہے کہ میں کسی کا مقلد نہیں ہوں[1]۔ اور وہ خاندانی طور حضرت اسمٰعیل شہید کے حقیقی عزیز تھے۔ اور ان کی ظرافت اور نیز فہمی کمال کے درجہ تک تھی۔ اگرچہ مولوی میمن بھی کچھ کم نہ تھے۔ ان ہر دو کی علمی نوک جھونک بہت لطف دیتی تھی۔

ایک روز مولوی طلحہ سے کسی امر میں مولوی میمن صاحب فصاحت فرمارہے تھے کہ میں مولوی فاضل کے امتحان میں اول رہا تھا جس کا مولانا سید طلحہ صاحب کو علم تھا اور مولانا حاجی سید نذیر حسین دہلوی سے بھی برابر پڑھا ہے اور عام طور پر ان کو دوسرے امر کا علم نہیں تھا اور اپنی طرح ان کو اورنٹیل کالج لاہور میں قریب چار سال ہوگئے تھے۔ جب کالج کے صاحب اقتدار مولوی محمد شفیع نے اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۲۵ء شائع کیا تو مولانا میمن نے بھی مولوی محمد شفیع کے مطالبہ پر بعنوان " ابوالعلاء اور ابو منظور خازن دارالعلم " لکھا تھا جو اسی میگزین کے اول شمارہ میں طبع ہوا۔ اس کے بعد آپ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں چلے گئے تھے۔ اور وہ اورنٹیل کالج لاہور کے بعض احباب کے سلوک سے زیادہ خوش نہیں تھے۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے عربی کے پروفیسر اے۔ ایس ٹرٹن کا تقرر لندن یونیورسٹی میں ہو جانے سے جو وہاں اسامی خالی ہوئی تو آپ نے بھی اس کے لئے عرضی دے دی تھی اور حالات کے تحت لاہور سے ان کی عمدگی سے سفارش نہیں کی گئی تھی۔ عربی کی وسعت کے باوجود ان میں اس وقت اگر ظاہرہ کمی تھی تو انگریزی زبان کی تھی مگر ان کو بھی ملاقات ملازمت کے لئے علی گڈھ میں ملاقات کے لئے اس وقت بلایا گیا تھا۔ چنانچہ وہ انتخابی مجلس کے سامنے پیش ہونے وہاں سے واپس آکر انہوں نے ساری وہاں ملاقات کی سید طلحہ صاحب کو روئداد سنائی تھی۔ جس کے بعد انہیں اطلاع پہنچی کہ ان کا تقرر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر عربی زبان ہو گیا ہے۔ ہم نے ان کو نیک تمناؤں کے ساتھ لاہور سے رخصت کیا۔ اور ہمارا خیال یہی تھا کہ آپ علی گڈھ کے ماحول میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ اللہ نے ایسا ہی کیا۔

اتفاق سے ہی علامہ اقبال کے ہمراہ اکتوبر ۱۹۲۹ء علی گڈھ تو کچھ وقت نکال کر مولانا میمن کے ہاں بھی دیکھا گیا۔ کہ آپ باہر مکان کے نیچے اسی طرح تصنیف و تالیف کے کام میں خوش و خرم ہمہ تن مصروف تھے۔ اور ان کا حقہ چل رہا تھا مجھے

---

[1] ڈاکٹر صاحب کی ہر بات محلِ نظر ہے مولانا لکھنوی نے مسلک حنفیت کی وہ بھرپور ترجمانی و تائید فرمائی ہے کہ باید و شاید ان کے شرح و حواشی اور تصانیف اس کے شاہد ہیں۔ "س"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھ کر انہوں نے اسی طرح "یا ابو عبداللہ" کہہ کر خندہ پیشانی سے ملے اور نہایت دلچسپی سے اپنے تمام حالات سے آگاہ کیا چونکہ وقت تنگ تھا اور ادھر آپ نے بھی لیکچر کے لئے جانا تھا اس لئے جلدی سے ان سے رخصت ہو کر واپس آ گیا۔ سب سے بڑی خوشی اس امر کی تھی کہ وہ اپنے منصب پر مطمئن نظر آئے۔ اور میں بھی ان سے رخصت ہو کر علامہ اقبال کے ہاں واپس آگیا۔ اور ان سے بھی آپ کی ملاقات کا ذکر کیا۔ اگرچہ آپ مولانا میمن سے کم واقف تھے اور وہ ڈاکٹر ظفر الحسن کے ہاں مقیم تھے۔

مولوی میمن صاحب نے گفتگو میں ایک طرح پروفیسر سید طلحہ کا بھی ذکر کیا اور خاص کر پوچھا کیسے ہیں جن کا انتقال بعمر ۸۰ سال ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء کو کراچی میں ہوا۔ جن کی صحبت میں ہم آپ سے مستفید ہوتے تھے۔ اور ان کو عمدگی سے سب واقعات کا خوب علم تھا۔ ان ہر دو مولویوں یعنی مولانا میمن اور مولانا سید طلحہ کبھی نہیں بھولتے۔ اور مولوی میمن کو ان کے ہاں تفسیر کشاف زمخشری کا خوب علم تھا بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے بعض اندراجات خاص کا بھی علم تھا۔ بہر حال سفر مدراس سے جب علامہ اقبال حیدر آباد دکن آئے تو انہوں نے بذریعہ سر اکبر حیدری ایک سکیم انعقاد ادارہ معارف اسلامیہ لاہور میں بصورت تحریر باقاعدہ پیش کی تھی جس کا عوام کو کم علم ہے۔ اس پر باقاعدہ کارروائی غالباً ان کے بعد شروع ہوئی اور اس ضمن میں سرکار حیدر آباد دکن سے کچھ روپیہ میسر آ گیا تھا۔ اس کا اول اجلاس لاہور میں علامہ اقبال نے ۱۹۳۳ء میں کیا۔ جس کی روئداد مع مضامین اساتذہ اور مندوبین کے شائع ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا اجلاس اسی طرح اپریل ۱۹۳۶ء میں ہوا جس کی صدارت سر فضل حسین نے کی تھی اس کی پوری رپورٹ مع مضامین چھپ گئی تھی۔ ان اجلاس میں مولوی عبدالعزیز میمن کو برابر دعوت دی جاتی رہی۔ نہ معلوم آپ نے ان میں شرکت کیوں نہیں فرمائی۔ آخر اس کا تیسرا اجلاس دہلی میں دسمبر ۱۹۳۸ء میں بعد وفات سر علامہ اقبال ہوا جس میں مولانا میمن صاحب نے بھی شرکت کی اس کی میں ہی شامل ہوئے اور مندرجہ ذیل مضمون آپ نے پڑھا۔ بعنوان مندرجہ ذیل

"کتاب اسماء جبال تہامہ و سکانہا و ما فیہا من القری
و ما ینبت علیہا من الاشجار و ما فیہا من المیاہ"

جس کا ایک ہی نسخہ آپ کے نزدیک سعیدیہ لائبریری حیدر آباد دکن میں تھا۔ آپ نے میں بھی شرکت کی تھی اور یہ جلسہ وہاں دہلی میں بصدارت آنریبل ڈاکٹر شاہ سلیمان صاحب چیف جج ہائی کورٹ الہ آباد ہوا تھا۔ اس جلسہ کی مکمل رپورٹ طبع ہو چکی ہے جس میں آپ کا یہ قیمتی مضمون ص ۲۶۵ تا ۳۰۱ تک ہے۔

افسوس اس اجلاس کے بعد علامہ اقبال کے فوت ہو جانے سے آج تک نہیں ہوا اگرچہ مولوی محمد شفیع کو پورا اختیار دے دیا گیا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میں خود بھی اس جلسہ کے بعد لاہور سے باہر چلا گیا تھا۔ اور پیرس یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر کے آیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورانِ قیام پیرس میں میری اکثر ملاقات ممالک اسلامیہ کے طلبا اور فضلاء سے ہوئی۔ چنانچہ وہاں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر امیر شکیب ارسلان (عرب) یہ بھی پیرس ہی میں ملاقات ہوئی۔ ان کے اعزاز میں عرب طلبا نے ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام عربی طریقہ پر کیا اور بہت سے دیگر عرب و مسلمان طلبا سے ملنے کا بھی موقع میسر آیا۔ دراصل امیر شکیب ارسلان یہودیوں کے فلسطین میں بسانے کی تجویز کے خلاف آئے تھے اور وہ وہاں ایک مجمع سے جو خالصاً مسلمانوں کا ہو اسی سے ایک صدا پیدا کرنا چاہتے تھے اس کے فوراً بعد وہاں پیرس میں مصر کے بادشاہ فاروق بھی وہاں تشریف لائے تھے اور ابھی تک ان کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرہ بھی تھیں۔ اور پیرس کی مسجد میں انہوں نے بعض تقاریر کے جواب میں ایک مختصر سی تقریر بھی کی تھی۔ اسی روز میری ملاقات ملک شام کے بعض طلبا سے ہوئی۔ ایک طالب علم جو عربی زبان میں وہاں ڈاکٹریٹ کر رہا تھا اس نے خاص کر مجھ سے دریافت کیا —— "استاذ المیمنی" کیا میں ان کو جانتا ہوں۔ پہلے تو میں اس کے سوال کو پوری طرح سمجھا نہیں۔ وہ دراصل مجھ سے "مولانا عبدالعزیز المیمنی" کا ذکر کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے استاذ میمن اس قدر عرب دنیا میں معروف ہیں۔ مگر اس کے بعد میں نے خود ہی اس طالب علم سے دریافت کیا کہ کیا وہ خود بھی مولانا "میمنی" سے ملا ہے کہ نہیں۔ مگر مجھے یہی معلوم ہوا کہ ان کی عرب ممالک میں اس قدر شہرت ہے اور اپنی وسعت عربی علوم کے عربوں ہی میں مشہور ہیں۔ مگر اس نے وضاحت کی کہ وہ مولانا میمنی کو ان کی عربی تحریروں سے جانتا ہے مگر ملا کبھی نہیں۔ اور اسی طالب سے یہ بھی علم ہوا کہ مولانا میمنی عنقریب ایک بڑی کتاب عربی ادب میں مرتب کر رہے ہیں۔

واپسی پر میرا تقرر پونہ دکن کالج میں وہاں کے شعبہ تاریخ کے قرون وسطیٰ کے لئے میرا انتخاب ہوا۔ جو میں وہاں اکتوبر ۱۹۴۷ء تک پڑھاتا رہا۔ یہ کالج تمام ہند میں ان اولین درسگاہوں میں ہے جو برٹش نے یہاں قائم کی تھیں اور اس عرصہ میں بے شمار مفید علمی کارنامے انجام دئے۔ مگر مجھے یہ ہرگز علم نہ تھا کہ مولانا میمن کا داماد بھی وہاں پونہ زرعی کالج میں ملازم ہے۔ اس طرح کی صاحب زادی بھی وہاں تھی مگر میری ان سے ملاقات نہ تھی۔ اور نہ میں نے آپ کی صاحب زادی کو دیکھا۔ اتنے میں ۱۹۴۳ء میں ہسٹری کانفرنس کا انعقاد علی گڑھ میں ہونا قرار پایا اور ساتھ ہی وہاں انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کا اجلاس بھی وہاں ہونا قرار پایا تھا مجھے کالج سے اور گورنمنٹ انڈیا کی جانب سے دعوت نامے وصول ہو چکے تھے۔ میرے سامنے اس ضمن میں یہ بڑی خوشی تھی کہ وہاں علی گڑھ میں مولانا عبدالعزیز میمن سے ملاقات ہو گی اور عرصہ کے بعد ان سے ملیں گے۔ مگر اس ضمن میں میرے علی گڑھ جانے کا علم مولانا میمن کے داماد اور ان کی صاحبزادی کو زیادہ تھا۔ چنانچہ وہ میرے پونہ سے جانے سے پیشتر میرے ہاں تشریف لے آئے اور پیغام دیا کہ ہماری طرف سے ان تک پہنچا دوں۔

چنانچہ میں پونہ سے کچھ ہی ایام پیشتر ہی احمد آباد۔ اجمیر۔ جیسور اور دہلی ہوتا ہوا علی گڑھ پہنچ گیا تھا۔ مگر اس اثنا میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسور کے قریب ریاست ٹونک میں پروفیسر شیرانی صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد سیدھا میں دہلی پہنچا۔ دہلی میں اپنے میزبان میر احمد حسین کے ہمراہ نظام الدین اولیا کے مزار پر آیا۔ جہاں مولانا الیاسؒ سے ملاقات کی جو تبلیغی جماعتوں کو برائے تبلیغ اسلام ارسال کرتے ہیں اور کئی امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔ اسی طرح لاہور میں بھی ان کے پہنچنے پر صاحب زادہ مولانا محمد یوسف کی آخری تقریر یکم اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب لاہور میں اتفاقاً سنی تھی جس کے بعد اگلے روز ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور ان کا قائم کیا ہوا یہ ادارہ اور مجمع بنام تبلیغی جماعت لاہور کے قریب بمقام رائے ونڈ میں ہوتا ہے جو اپنی ایک مثال ہے۔

حتیٰ کہ میں اگلے روز حسب پروگرام علی گڑھ پہنچ گیا تھا۔ یہ دسمبر ۱۹۴۳ء کا آخری ہفتہ تھا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ تمام مہمان باہر ٹینٹوں میں قیام کریں گے اور اس سے ایک روز قبل وہاں بوائے سکاؤٹنگ کا مجمع تھا۔ اور میرا انتظام ایک صاحب مسٹر جعفر کے ہمراہ ایک الگ ٹینٹ میں کر دیا گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ ہم کسی طرح پروفیسر حبیب شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی سے تفصیلی ملاقات ہو جائے تو بہت مناسب ہوگا کیونکہ کئی مسائل پر ان سے بات چیت اور مشورہ کا ارادہ تھا۔ اتفاقاً وہ وہاں گھومتے ہوئے نظر آ گئے۔ چنانچہ ان سے مسائل پر کئی گھنٹے بات چیت جاری رہی۔ اور نصف شب سے بھی اوپر تک وقت ہو گیا تھا۔ تاریخ ہند میں یہ زمانہ کوئی امن کا نہیں تھا۔ خاکساروں کی وجہ سے کچھ بد امنی تھی اور کچھ ان کو پکڑنے کا انتظام بھی تھا غرضکہ طبائع میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اسی روز والسرائے ہند کی صدارت میں مسٹاریکل ریکارڈ کا جلسہ تھا اور میرا مضمون اسی روز تھا۔ اور اس سے قبل ڈھاکہ کے عزیز احمد تقریر کرنے والے تھے۔ خیر میں نے بخیر و خوبی فراغت حاصل کر لی تھی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اب مجھے مولانا میمن سے ملنا چاہیے۔ چنانچہ اس ضمن میں ان کی طرف متوجہ تھا کہ ایک طالب علم بھی جن کا نام نبی بخش بلوچ تھا ملاقات ہو گئی ان سے جناب میمن صاحب کا پتہ معلوم ہوا کہ وہ ان کے ماتحت ڈاکٹری کی ڈگری کے لئے کام کر رہا تھا مگر بحیثیت خاکسار ہو لینے کے اسے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ خیر میں اس کے بتائے ہوئے پتہ پر مولانا میمن صاحب کے پہنچ گیا۔ دیکھا تو مولانا میمن باہر بیٹھے حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھے۔ اور "مفضلیات" کا مسودہ از سر نو تیار کر رہے تھے اور ان سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں وہ اپنے حالات میں مطمئن تھے اور میں نے پونہ کے لوگوں کا پیغام بھی ان کو دیا۔ ماشاءاللہ کا خط بہت اچھا تھا اور اپنے ڈھنگ سے "المفضلیات" کے نسخے کو تیار کر رہے تھے۔

ان سے فارغ ہو کر ہسٹری کانفرنس میں آ کر پھر مشغول ہو گیا اور اپنا مقالہ بھی پڑھا۔ اتنے میں واپس پونہ جانے کی فکر براستہ الہ آباد طے کیا کیونکہ میرے عزیز (شریف) جلال چغتائی نے بھی اسی راستہ سے واپس جانے کی تاکید کی تھی چنانچہ وہاں الہ آباد میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی و دیکھ کر دیگر حضرات سے مل کر اور وہاں کے امرود حاصل کر کے پونہ روانہ ہو گیا مگر اس کے بعد ۱۹۴۷ء سے پاکستان ظہور میں آ گیا۔ اور حالات کے اعتبار سے مجھے بھی کسی طرح واپس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہور آنا پڑا۔ ایک روز پنجاب یونیورسٹی میں مسٹر ممتاز حسن جو مالیات کے محکمہ سے تعلق رکھتے تھے اور مولانا کے بہت بڑے مداح تھے ان سے ملاقات ہو گئی ان سے معلوم ہوا کہ مولانا میمن صاحب علی گڑھ سے ریٹائر ہو کر کراچی آ کر مقیم ہو گئے ہیں اور وہ حمید احمد خان مرحوم وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی سے مل کر کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح میمن صاحب پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر ہو جائیں چنانچہ وہ کامیاب ہو گئے تھے۔

مولانا عبدالعزیز میمن میں اورینٹل کالج میں ایک کمرہ جس میں کبھی پروفیسر اقبال مرحوم بیٹھتے تھے میں قیام فرمایا کرتے اور ان سے اکثر ملاقات بھی ہوتی تھی۔ اور میں ایک مسئلہ مسجد نبوی کی تعمیر کے ضمن میں ہر سہ کتب ۱۔ تحقیق النصرہ المراغی متوفی ۸۱۱ھ ۲۔ الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ۔ النجار متوفی ۶۴۷ھ ۳۔ وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰی سمہودی متوفی ۹۱۱ھ کی کتب کی بعض مقام پر سمجھ نہیں آتی تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس ایک روز صبح صبح "الدرۃ الثمینہ" اصل لے گیا تھا۔ تو انہوں نے ظرافت میں جو ان کا ایک خوشگوار پہلو تھا تو انہوں نے عربی زبان دانی کے اعتبار سے مسئلہ کو عمدگی سے حل کر دیا۔ مگر ظرافت میں اسی طرح انہوں نے مجھے" ابو عبداللہ" کے نام سے پکارا۔ جو ان کا ہمیشہ کا شیوہ تھا اور ان سے اکثر علمی اور غیر علمی کالج اور کالج کے باہر عموماً شمس الدین کی دوکان پر لوہاری دروازہ کے باہر ہوتی رہیں۔ اور ہمیشہ ان کو خوش و خرم ہی پایا۔

انہی ایام میں ان کو ابن سعود حکومت نے وہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حج کے موقع پر ملنے کا اتفاق ہوا۔ جب میں نے امریکہ سے واپسی پر پہلی مرتبہ حج کے لیے وہاں گیا تھا۔ تو وہ بہت عمدگی سے ملے اور وہ کسی ضروری کام سے پاکستان ایمبیسی میں آئے تھے۔

اس کے بعد غالباً مسٹر ممتاز حسن نے ان کو مرکزی اسلامی ادارہ جب کہ وہ ابھی کراچی ہی تھا اور اشتیاق حسین قریشی غالباً منسٹر تھے یا وہ خود اس ادارہ کے سربراہ تھے تو اس ادارہ کے لئے انہوں نے دنیا میں پھر کر بہترین اور نایاب کتب کو اکٹھا کیا جو کوئی اور نہیں کر سکتا تھا اور آج یہ تمام ادارہ اسلام آباد منتقل ہو چکا ہے اور اس میں مولانا میمن کی کئی کتب عربی ادب میں ایسی ہیں جو وہی کر سکتے تھے۔ یورپ سے متاثر ہو کر جب "لسان العرب" لغت کی کتاب کا نیا ایڈیشن نکلنے کے لئے ناشر نے اشتہار دیا تو ان کا نام بھی ان حضرات میں شامل تھا جنہوں نے اس میں حصہ لیا تھا۔

وہ حقیقتاً ایک تاجر خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ہمیشہ "میمن" کے نام یا لقب سے ان کو پکارا گیا ہے مگر واقعات یہ ہیں کہ وہ گجرات کاٹھیاواڑ کے باشندہ تھے اور قاضی احمد میاں اختر اور مولوی سورتی جیسے ان کے معاصر تھے جنہوں نے ان کے ہمراہ مل کر اسباق عربی کی ادائیگی کی ہے۔ میرا خیال ہے آج ہم کسی کو بھی ان جیسا عربی کے اساتذہ میں شمولیت کا موقع نہیں دے سکتے جس طرح سید انور شاہؒ کے بعد ان کا جانشین نہیں ملتا اسی طرح "میمن" اپنا زمانہ گزار کر ہم سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ان کا بلند آواز سے کسی عربی لفظ کی سند کی وضاحت میں اس کو سمجھانے کے لئے عربی اشعار اساتذہ کا پڑھنا اور مخاطب کو محوِ حیرت کر دینا آج تک نہیں بھولتا۔ انہوں نے طویل عمر پائی تھی۔ افسوس ان سے آخیر ایام میں ملاقات نہیں ہوئی۔

باقی صفحہ ۴۵ پر

© rasailojaraid.com